نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی

(سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۹ کی روشنی میں)

امین احسن اصلاحی

منکرین سنت کا دعویٰ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی ذمہ داری بحیثیت پیغمبر کے صرف یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ پر جو وحی نازل فرمائے آپ وہ لوگوں تک پہنچادیں۔ اس کے بعد بحیثیت رسولؐ کے آپؐ کا فرض ختم ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر کوئی ذمہ داری ہی ہے اور نہ وحی الٰہی (یا بالفاظِ دیگر قرآن) کے سوا آپ کے کسی قول یا فعل کی کوئی مستقل شرعی اہمیت ہی ہے۔ ہمارے نزدیک منکرینِ سنت کے اس دعوے کی تردید کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت ہی کافی ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی کی جو تفصیل کی گئی ہے اس میں صرف لوگوں کو قرآن سنا دینے ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ متعدد دوسری چیزوں کا بھی ذکر ہے اور اس آیت سے واضح ہے کہ ان چیزوں کا بھی ذکر آپ کے فرائضِ نبوت ہی کی حیثیت سے ہوا ہے۔ آیت پر ایک نظر پھر ڈال لیجئے۔ فرمایا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ	اے ہمارے رب، ان میں بھیجیو ایک
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ	رسول انہی میں سے جو ان کو پڑھ کر سنائے
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ	تیری آیتیں اور ان کو تعلیم دے کتاب اور
أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ	حکمت کی اور ان کا تزکیہ کرے بے شک
(بقرہ: ۱۲۹)	تو غالب اور حکمت والا ہے۔

یہ اس دعا کے الفاظ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے فرمائی تھی۔ اسی دعا کے مطابق جب آنحضرتؐ کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ

نے اہلِ عرب پر اپنے اس احسانِ عظیم کا اظہار یوں فرمایا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا	وہی خدا ہے جس نے بھیجا اُمیوں (بنی اسمٰعیل)
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ	میں ایک رسول انہی میں سے جو ان کو پڑھ کر
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن	سناتا ہے اس کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا
كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ	ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے
(جمعہ : ۲)	بیشک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے

ان دونوں آیتوں پر غور کیجئے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن صفات کے پیغمبر کے لیے دعا کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعینہٖ انھیں صفات کے ساتھ مبعوث ہوئے اور آپ نے اُمیوں کے اندر علاوہ سارے کام انجام دیے بھی جن کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی تھی۔

ان دونوں ہی مقامات میں جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض کا تعلق ہے ان کے بیان میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر کوئی اختلاف ہے تو صرف یہ کہ اوپر والی آیت میں تزکیہ کا ذکر سب کے آخر میں ہے اور دوسری آیت میں تعلیم کتاب و حکمت سے پہلے لیکن تلاوتِ آیات کے بعد۔ یہ فرق کوئی خاص اہمیت رکھنے والا فرق نہیں۔ تزکیہ کے مقدم و مؤخر ہونے کی وجہ ایک دوسرے مقام پر ہم واضح کر چکے ہیں[1] کہ تزکیہ تمام دین و شریعت کی غایت اور بعثتِ انبیا کا اصل مقصود ہے اور جو چیز کسی کام میں غایت و مقصود کی حیثیت رکھتی ہے وہ عمل میں اگرچہ مؤخر ہوتی ہے لیکن ارادہ میں مقدم ہوتی ہے اس وجہ سے اصل اسکیم میں اس کا ذکر مقدم بھی ہو سکتا ہے اور مؤخر بھی۔ چنانچہ اسی اعتبار سے تزکیہ کا ذکر ایک آیت میں مقدم ہوا ہے دوسری میں مؤخر۔ اس ترتیب کے فرق کے علاوہ دوسری ساری باتیں دونوں آیتوں میں بالکل مشترک ہیں اور ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرائض بتائے گئے ہیں:

۱۔ تلاوتِ آیات ۲۔ تعلیم کتاب و حکمت ۳۔ تزکیہ

ان میں سے جہاں تک پہلی چیز 'تلاوتِ آیات' کا تعلق ہے، ہم بلا کسی بحث و نزاع کے تسلیم کیے لیتے ہیں کہ اس سے مراد لوگوں کو قرآن مجید سنانا ہی ہے۔ دین و دانش دونوں ہی سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ خدا کے ایک رسول کا اوّلین فریضہ یہی ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کے بندوں تک اس کی وحی کو پہنچائے لیکن اس تلاوت کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ اس طرح نہیں ہوئی ہے کہ لوگوں کو پوری

کتاب یک دفعہ سنا دی گئی ہو بلکہ یہ ۲۳ سال کی وسیع و طویل مدت میں تھوڑی تھوڑی کر کے اتاری گئی اور اسی تدریج کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سبقاً سبقاً اس کی تعلیم دی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کتاب کوئی سہل اور سپاٹ کتاب نہیں ہے بلکہ یہ نہایت گہرے علوم و معارف اور اعلیٰ اسرار و حقائق کی کتاب ہے۔ اس وجہ سے اس کے لیے یہ ضروری ہوا کہ یہ سبق سبق کر کے پڑھائی جائے تاکہ لوگوں کی اس کے خزانوں تک رسائی ہو سکے۔ اس حقیقت کو قرآن نے یوں واضح کیا ہے وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ (اسراء: ۱۰۶) اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تاکہ تو لوگوں کو اس کو وقفہ وقفہ کے ساتھ سنائے۔

قرآن حکیم کی مذکورہ بالا خصوصیت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ایک قاری طرح صرف سنا دینے ہی پر اکتفاء فرمائیں بلکہ ایک معلم کی طرح پوری دلسوزی اور پوری شفقت کے ساتھ لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیں۔ چنانچہ اسی بنا پر تلاوت کے ساتھ ساتھ آپؐ کا دوسرا فرض تعلیم کتاب بتایا گیا۔ تعلیم کتاب کا فریضہ آپ کے فرائض نبوت ہی کا ایک جزا ور آپ کا معلم ہونا آپؐ کے منصب رسالت ہی کا ایک پہلو ہے۔ اس وجہ سے اپنی اس حیثیت میں آپ نے جو کچھ لوگوں کو سکھایا اور بتایا اس کو آپ کے فرائض نبوت سے نہ تو خارج کیا جا سکتا اور نہ اس کا درجہ اصل کتاب کے مقابل میں گرایا ہی جا سکتا۔

اب غور فرمائیے کہ اس تعلیم کے تقاضے کیا کیا ہو سکتے ہیں؟

اس کا ایک بالکل ابتدائی تقاضا تو یہ ہے کہ قرآن میں جو شرعی اصطلاحات مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، صیام، طواف، عمرہ، نکاح، طلاق وغیرہ استعمال ہوئی ہیں لیکن ان کی عملی شکلیں واضح نہیں کی گئی ہیں ان کو آپ اچھی طرح لوگوں پر واضح کر دیں تاکہ لوگ عملی زندگی میں ان کو اختیار کر سکیں اور ان کے مختلف اجزاء کا دین میں جو مقام ہے اس کو متعین کر سکیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ قرآن میں فکر و عمل کی تصحیح کے جو اصول دیئے گئے ہیں ان کے لوازم و تضمنات کے ضروری گوشے واضح کر دیئے جائیں تاکہ ان ابواب میں مزید رہنمائی حاصل کرنے کے لیے وہ روشنی کے میناروں کا کام دیں۔

اسی طرح ایک چیز یہ بھی ہے کہ قرآن میں جو احکام شریعت دیے گئے ہیں ان کی حیثیت صرف

اصولی احکام کی ہے۔ ان میں سے ہر باب کے تحت بے شمار صورتیں ایسی آتی ہیں جن میں احکام کا تعین معلم کی رہنمائی اور اجتہاد پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اجتہاد کے لیے امت کو بہترین رہنمائی ان مثالوں ہی سے مل سکتی تھی جو اس کتاب کے معصوم معلم نے اپنے اجتہاد سے قائم کیں۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ قرآن اجتماعی زندگی کا ایک نظام بھی پیش کرتا ہے لیکن اس کے صرف چار دن گوشے متعین کر دینے والے اصول دے کر اس کی جزئیات و تفصیلات اور اس کے عملی ڈھانچہ کے معاملہ کو معلم کی ذمہ داری پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس چیز کو بھی لوگوں نے حضورؐ ہی کی تعلیم سے سیکھا۔

ان کے علاوہ ایک اہم چیز یہ بھی ہے کہ زیر بحث آیت میں صرف تعلیم کتاب ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ تعلیم حکمت کا بھی ذکر ہے۔ تعلیم حکمت تعلیم شریعت سے بہت وسیع چیز ہے۔ اس سے مراد، جیسا کہ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے ہم بیان کر چکے ہیں، وہ دانش و بینش اور وہ بصیرت و معرفت ہے جو زندگی کے ان بعید گوشوں میں بھی انسان کی رہنمائی کرتی ہے جہاں رہنمائی کرنے والی اس کے سامنے کوئی اور روشنی نہیں ہوتی۔

اب غور کیجئے کہ یہ ساری باتیں تعلیم کے تقاضوں میں سے ہیں یا نہیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ساری چیزوں کی تعلیم کے لیے بحیثیت ایک خدائی معلّم کے مامور تھے یا نہیں؟ اگر ان سوالوں کا جواب اثبات میں ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا جواب اثبات ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے تو غور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حیثیت میں جو کچھ کہا اور کیا ہے اس کو آپ کے فرائض نبوت کے دائرے سے الگ کس طرح کیا جا سکتا ہے اور اس کی اہمیت کو گھٹایا کس طرح جا سکتا ہے؟ اور پھر اس بات پر غور کیجئے کہ احادیث میں ان چیزوں کے سوا اور کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت معلم کتاب و حکمت ہونے کے بتائی ہیں یا ان پر عمل کر کے دکھایا ہے؟

اسی طرح اب تزکیہ پر غور کیجئے۔ تزکیہ کا عمل ظاہر ہے کہ تعلیم سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور وسیع الاطراف ہے۔ اور ہم واضح کر آئے ہیں کہ اس لفظ میں پاک صاف کرنے اور نشوونما دینے، دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ یہ بیک وقت علمی بھی ہے اور عملی بھی، ظاہری بھی ہے باطنی بھی، مادی اور جسمانی بھی ہے اور عقلی و روحانی بھی، نیز یہ انفرادی بھی ہے اور سماجی و اجتماعی بھی۔ مختصراً چند بنیادی تقاضے اس کے بھی سامنے رکھ لیجئے۔

اس کا ایک ضروری تقاضا تو یہ ہے کہ لوگوں کے اذہان، اعمال اور اخلاق پر خوردبینی نگاہ ڈال کر ان جراثیم سے ان کو پاک کیا جائے جو روحانی اور اخلاقی بیماریوں کے سبب بنتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اندر ان نیکیوں کی تخم ریزی کی جائے جو انسان کے ظاہر و باطن کو سنوارتی اور اس کے عادات و خصائل کو مہذب بناتی ہیں۔

اس کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ ہر خوبی ان کے اندر جڑ پکڑ جائے اور ہر برائی کے خلاف طبیعتوں میں نفرت بیٹھ جائے۔

اس کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ اس تعلیم و تربیت سے ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا جائے جو تزکیۂ نفوس کے لیے ایک وسیع تربیت گاہ کا کام دینے لگ جائے، جو شخص بھی اس میں اٹھے اسی ماحول کے اثرات لیے ہوئے اٹھے اور جو شخص بھی اس کے اندر داخل ہو جائے اس پر اسی کا رنگ چڑھ جائے۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ خیال بڑا مغالطہ انگیز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضۂ منصبی بحیثیت رسول کے صرف یہ تھا کہ آپ لوگوں کو قرآن پہنچا دیں۔ قرآن کا پہنچا دینا آپ کے فرائضِ منصبی کا صرف ایک جزو تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی یہ ذمہ داری بھی تھی کہ آپ ایک معلم کی طرح لوگوں کو اس قرآن کی تعلیم دیں، اس کے مضمرات و تضمنات، اس کے اجمالات و اشارات اور اس کے اسرار و حقائق لوگوں پر واضح کر دیں، اس کے عجائبِ حکمت کے خزانوں تک لوگوں کی رہبری فرمائیں۔ اسی طرح آپ کی یہ ذمہ داری بھی تھی کہ آپ قرآنی حکمت کی روشنی میں افراد اور معاشرہ کی تربیت کے اصول و فروع بھی متعین فرمائیں اور ان اصولوں کے مطابق لوگوں کا تزکیہ بھی کریں۔

یہ سارے کام آپ کے فرائضِ نبوت میں شامل تھے۔ اس وجہ سے ان مقاصد کے تحت آپ نے جو کچھ بتایا یا جو کچھ کیا اس سب کو امت نے اسی طرح واجب التعمیل سمجھا جس طرح قرآن کو سمجھا اور اسی اہمیت کے ساتھ اس کی حفاظت اور اس کے نقل و روایت کا اہتمام کیا۔ اس کے کسی جزو کے متعلق یہ سوال تو اٹھایا جا سکتا ہے کہ اس کا انتساب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پوری صحت کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں لیکن اس کو دین و شریعت سمجھنے سے انکار کرنا خود قرآن مجید کے انکار کے ہم معنی ہے۔

(تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۸۶ء، جلد اول، ص ۳۵۱-۳۵۵)

حواشی

۱ اس نکتہ کی وضاحت کے لیے ملاحظہ کیجیے ہماری کتاب "تزکیۂ نفس" فیصل آباد ۱۹۸۱ء جلد اول، ص ۱۵-۳۲

۲ تدبر قرآن، ج ۱ ص ۳۴۱